بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

اللہ تعالیٰ کے نام پر وقف شدہ ایک ایسی عالی شان مسجد جو مسلمانوں کی گنجان آبادی میں گھری ہو، اُس کے برسوں مقفل رہنے کے بعد اگر اللہ کا کوئی بندہ اس کے منارے سے اذان کہے، لیکن پھر بھی اقامتِ صلوٰۃ نہ ہو سکے، امام غائب ہو اور نمازی عنقا، تو گویا طاغوتی قوتیں مؤذن کو ماحول کی زبان سے اذان کا یہ جواب دیتی ہیں کہ اس آبادی کو ہم مکمل طور پر تسخیر کر چکی ہیں، اور یہ تمہاری پکار کے حق میں ایک قبرستان کی حیثیت رکھتی ہے۔ زندوں کے اس قبرستان میں روحوں پر جذام اور قلوب پر فالج وارد ہو چکا ہے۔

اس تمثیل کی قندیل اُٹھائیے دنیائے حقیقت میں آئیے۔ یہ پہلا موقع ہے کہ ایوانِ قوت سے غلبۂ اسلام کی صدا بلند ہوئی، مگر جواب اس کا بہ حیثیت مجموعی یہ ہے کہ ؎

یہ ناداں گر گئے سجدے میں جب وقتِ قیام آیا

ایک بار پہلے بھی پاکستان کی دستور ساز اسمبلی سے ایسی ہی آواز اُٹھی تھی، مگر اس کا انداز دوسرا تھا۔ اس وقت کے قراردادِ مقاصد پاس کرنے والے حضرات سیاست کی جس بازیٔ شطرنج کو کھیلتے کھیلتے یکایک خدا کی حاکمیت اور قانونِ شریعت کا نعرہ لگا گئے تھے، پلٹ کر پھر اُسی مہرہ بازی میں محو ہو گئے۔ اُس وقت روحِ پاکستان یوں نالہ کش ہوئی کہ ؎

قراردادِ مقاصد کے تم مصنف تھے
یہ صور پھونک کے اب کھو گئے کہاں آخر

صفِ نماز کھڑی ہے بہ انتظارِ امام
اذان پکار کے خود سو گئے کہاں آخر

مگر اب معاملہ دوسرا ہے۔ اب جواب دہی کا بار بہ حیثیت قوم ہم پر آ پڑا ہے!

صورتِ حال بڑی پُراسرار معلوم ہوتی ہے۔

آج واقعہ یہ بھی نہیں کہ قوم بے حس اور جمود زدہ ہو۔ جنوری ۱۹۷۷ء سے نظامِ مصطفٰیؐ کے سرمستانِ جنون جب ایک بار اُٹھ کھڑے ہوئے تو در و دیوار اور دشت و بن ان کے والہانہ جذبات کی لمعانی سے جگمگا اُٹھے۔ پھر وہ وقت آیا کہ سڑک سڑک پر لہو، اور چوک چوک میں لاشیں۔ ہسپتالوں میں زخم خوردہ فسطائیت کے ہجوم، اور جیلوں، حوالاتوں، تھانوں اور سی آئی اے کے اڈوں میں سرگشتگانِ عشقِ محمدؐ کے انبوہ!

قائدینِ اتحاد کا اشارہ رات کو ہوتا ہے کہ کل ہڑتال ہوگی۔ مختصر نوٹس اور کم ذرائعِ اشاعت و ترسیل کے باوجود اگلی صبح کو پورے پاکستان میں مکمل ہڑتال ہو جاتی ہے۔ لیڈر رہتے ہیں کہ چھ چھ افراد ہر روز گرفتاری دیں۔ شہروں، قصبوں اور بڑی دیہاتی آبادیوں میں چھ چھ افراد روزانہ نکلتے ہیں اور کسی مسجد میں تقریر کے بعد گرفتاری پیش کرتے ہیں۔ مگر یہ گرفتاری بھی معمولی قسم کا سیاسی کھیل نہیں۔ زہریلی گیس کے بگولے اٹھتے ہیں اور لاٹھیوں گولیوں کی بارش ہوتی ہے۔ مگر کیا مجال کہ "سجاک و خون غلطیدن" کا یہ سلسلہ کہیں ٹوٹ گیا ہو۔ پھر شہر بہ شہر اور قصبہ بہ قصبہ علماء میدان میں نکلتے ہیں، وکلا کی صفیں آگے بڑھتی ہیں، نوجوان طلباء کا سیل اُمڈتا ہے، اور درندگی ان کا استقبال کرتی ہے۔ حالات کا شدید بگاڑ دیکھ کر پردہ دار خواتین، چھوٹی چھوٹی بچیاں اور ضعیف و مریض مائیں تک برقعے اور آنچل اوڑھے اپنے آپ کو ظلم و قساوت کی قوت کے سامنے لا کھڑا کرتی ہیں ——— اور اقتدار کی پستیٔ فطرت کی حد یہ ہے کہ وہ پوری قوم کے اس مقدس سرمایۂ حیا و عفت کے سامنے زنانِ بازاری کو پولیس کی وردی پہنا کر شریف عورتوں کو ان سے فحش گالیاں دلواتا اور پٹواتا ہے۔

مگر مظلومیت کا یہ کاروانِ بلاکش و بلاخیز نہ کہیں پیچھے ہٹتا ہے، نہ رُکتا ہے۔

تاریخ سیاسیات میں مشکل ہی سے کوئی نظیر ایسی ملے گی کہ دو ڈھائی ماہ تک اتنی پُر زور اور وسیع اجتماعی تحریک چار چھ دن سے زیادہ چلی ہو۔ اور ایسی نظیر بھی کہیں نہ ملے گی کہ ہر روز بے حساب قربانیاں دیتی ہوئی ایسی تحریک کے باوجود صنم خانۂ اقتدار کا صنمی چیف پروہت اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہو۔ سیاسی ڈھٹائی کی ایسی ردّی مثال دُنیا کی کسی گھٹیا جمہوریت میں بھی نہ ملے گی۔ پاکستان کی سرزمین عجائبات میں جہاں اور کئی بے مثل حوادث دیکھنے میں آتے ہیں وہاں اس آخری کرشمۂ فسطائیت کا ظہور بہت زیادہ غیر معمولی نہیں! غلام محمد اور سکندر مرزا سے لے کر یحییٰ خاں اور اس کے بعد بھٹو تک ظاہری و ساحری کے ادوار میں ہم نے کٹھ پتلیوں اور بازی گروں کے وہ وہ کرتب دیکھے ہیں کہ بار بار خدا یاد آیا۔

خیر، اب قوم پوچھتی ہے کہ ہمارا کیا قصور؟ ہم نے سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عملاً نافذ کردہ نظامِ اسلامی کے لیے تگ و تاز میں کیا کسر چھوڑی، ہمارے جوانوں نے سینوں پر گولیاں کھائیں، ہمارے بوڑھوں نے لاٹھیوں سے سر و سینہ پر زخم لیے، ہماری مستورات کے گلے زہریلی گیس کے مرغولوں نے گھونٹے، ہمارے کاروبار تباہ ہو گئے، قید اور مقدمے اور سزائیں اور قلعے کی ماریں ہم نے خندہ پیشانی سے قبول کیں۔

پھر اسلام کے نظامِ عدل و رحمت کی منزل کیوں دُور ہے؟ کیوں دُور تر ہوتی جا رہی ہے؟

یہ درد بھرا سوال آج پاکستان کی فضاؤں سے تاریخ میں چاروں طرف پھیلا ہوا ہے اور مجھے بارہا محسوس ہوا کہ جیسے یہ سوال کبھی ایک نیزہ بن کر سینے میں اُتر جاتا ہے، کبھی نشتر بن کر کلیجے میں چھید کرتا ہے، کبھی برقی رو بن کر دماغ کے ذرات میں جھنجھناہٹ پیدا کرتا ہے۔ یہ سوال ہر سوچنے والے صاحبِ دل سے اپنا جواب مانگتا ہے۔

زخم رسیدگانِ ملّت اور سرگشتگانِ حق سے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس کا جواب بالکل سامنے ہے۔

دورِ غلامی میں غیر ملکی اور مخالفِ اسلام اقتدار نے یہاں اپنے مشن کے تحت سب سے اہم کام یہ انجام دیا کہ سیکولرازم کی زہریلی فصل دلوں اور دماغوں کی کھیتیوں میں بوئی۔ اس نے ایک دنیا پرست، قوت پرست، دولت پرست اور خواہش پرست طبقے کو پروان چڑھانے میں بہترین قابلیتیں اور کاوشیں صرف کیں۔ تعلیم کے ذریعے، لٹریچر کے ذریعے، مغربی فلسفے پر مبنی علوم کے ذریعے، مستشرقین کی تحقیقاتوں کے ذریعے، اسلام کے متعلق پادریوں کی یاوہ گوئی کے ذریعے، مغالطہ انگیز مناظروں کے ذریعے،

اخباری پروپیگنڈے کے ذریعے، ثقافتی اشغلوں کے ذریعے، عہدوں اور نوکریوں کے لالچ کے ذریعے خطابات اور درباری اعزازات کے ذریعے، کونسلوں کی ممبریوں کے ذریعے، ترقی کے مخصوص تصور کو عام کرنے کے ذریعے اور قوانین اور پالیسیوں کے ذریعے ایک مہم اس غرض سے چلائی گئی کہ اول تو اعلیٰ ذہانت کے نوخیز افراد کے دلوں میں الحاد اتنا کارفرما ہو جائے کہ اسلام کی دبی دبائی کوئی جڑ باقی نہ رہے، یہ نہیں تو پھر اتنا ضرور ہو کہ اسلام کا نام تو باقی رہے مگر زندگیوں کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہ ہو۔ اور یہ بھی نہ ہو تو بدرجہ آخر لیڈری، ملازمت، تجارت و معیشت اور فنون و ثقافت اور تمام اجتماعی معاملات کا دائرہ اسلام کے لیے ممنوع الدخول ہو جائے اور کوئی محدود و بے ضرر قسم کی ذاتی اسلامیت کو جاری رکھنا چاہے تو کرتا رہے۔ سیکولرازم کا سیلاب ایسی مذہبیت کو اپنے ساتھ لڑھکاتا جائے گا تاآنکہ اس کے ٹکڑے اور ذرات آہستہ آہستہ بکھر جائیں گے۔

یہ اسکیم مطلوبہ معیاری حد تک نہ سہی، مگر بے حد مؤثر ثابت ہوئی۔ خاص طور پر بیرونی مسلم دشمن طاقت نے اس پہلو سے اپنا اصل زور سیاسی قیادت اور سول سروس پر صرف کیا۔ یہاں تک کہ جب وہ آزادی دے کر رخصت ہو گئی تو ہمارے ہی اندر کا سیاست کا طبقہ اور ہماری ہی اپنی سول سروس کی مشینری کے پرزے سیکولرازم کے قلعے کے محافظ بن کر جانی پہرہ بند ہو گئے۔ سیاست کاروں کو تو کچھ نہ کچھ عوامی رجحانات کا خیال کرنا پڑتا تھا لہٰذا انہوں نے بحیثیت مجموعی منافقت کو بہترین حربہ پا کر اسے خوب خوب استعمال کیا۔ پُرزور قصیدہ خوانی اسلام کی، اور معاملات کا نہج لادینی۔ بلکہ ایسے ایسے شہسوار اس میدان میں نمودار ہوئے کہ اسٹیج پہ اسلام کے شیدائی و فدائی، اور ایوانِ حکومت میں اسلام کے چہرے کو مسخ کرنے اور اسلام کو بے دست و پا کرنے کے لیے کچھ دلبساہی کردار، جیسا شاہی قلعۂ لاہور کے محافظانِ امن و نظم کا اپنے کسی شکار کے ساتھ ہوتا ہے۔ ان کو پشت پناہی سول سروس کے خاصانِ خاص سے ملتی رہی۔ دنیا کی ہر سول سروس میں بڑی تعداد تو کولہو کے بیلوں کی ہوتی ہے، پھر ہمارے یہاں کچھ سادہ دل اور شرفا بھی خدمتِ قوم کا درد لیے اس کوچۂ ملامت میں جا نکلتے ہیں۔ وہ بیچارے یا تو ساری عمر گرامر کے فعل کی ایک ہی قسم یعنی سہنے (اور بھگتنے) سے دو چار رہتے ہیں، یا اگر سول سروس کی لکیر کی فقیری کرنے میں ہیر پھیر کریں تو کسی الزام کا نشانہ بن کر یا بلا کسی تہمت کے، ایسے سے باہر کر دیے جاتے ہیں۔ سول سروس کی اصل قوت وہ چند بااختیار اور ذہین و فطین لوگ

ہیں جو ایوانِ اقتدار میں آنے والی مختلف شخصیتوں اور متضاد قوتوں کے ساتھ ایسا تال میل پیدا کر لیتے ہیں کہ ہر نو گرفتارِ اقتدار ان میں سے کسی بھی شخص کے متعلق یہ سمجھتا ہے کہ کھرا سونا اور سچا ہیرا تو اب ہاتھ آیا۔ آنے والا اوّل تو اپنے نظریات و مقاصد کو غیر شعوری طور پہ ان سے ہم آہنگ کر لیتا ہے، لیکن اگر سول سروس کے خاص اساطین یہ محسوس کریں کہ اس شخص کے زہریلے دانت توڑ کے یا نکالے نہیں جا سکتے تو وہ ایسا چکر چلاتے ہیں کہ خود اس شخص کو توڑ کے رکھ دیتے ہیں یا نکال کے باہر پھینکوا دیتے ہیں۔ سیاست کاروں کے بخلاف، سول سروس کے جغادری کارپردازِ سیکولرازم کے قلعے کی برجیوں میں بیٹھتے ہیں اور ہر حملہ آور سے — خواہ وہ جنابِ اسلام ہی کیوں نہ ہوں — بڑی خوبصورتی سے عہدہ برآ ہوتے ہیں۔

یہ لوگ اہم اور مؤثر محکموں اور اداروں کے اندر کمین گاہوں اور تہ خانوں میں جگہ بناتے ہیں۔ سیکولرازم کے ان محافظوں کا آپس میں خصوصی رابطہ رہتا ہے۔ سیاسی قوت کے لیے ان کا اوّلین حربہ خوشامد ہے — خوشامد عام قسم کی نہیں، بلکہ نہایت نستعلیق قسم کی، پُرخلوص دکھائی دینے والی، محتاط خوشامد![1] خوشامد کے ساتھ دوسرا ہتھیار خوف دلانے کا ہے۔

ان دو قوتوں کے درمیان ایک تیسری قوت پیدا ہو جاتی ہے، اور وہ ہے خیانت! اس طرح تثلیث مکمل ہو گئی — خوشامد، خوف، خیانت!

سول سروس کے چند خاص شاطرانِ پس پردہ کے علاوہ تعلیم، صحافت، ذرائعِ ابلاغ، نشریاتی اور ثقافتی اداروں اور ادب و فنون کے مختلف دائروں[2] میں سیکولرازم کے محافظ اور سنتری ایسی جگہوں پہ قابض ہوتے ہیں جہاں سے وہ کچھ برقی بٹنوں پہ انگلیاں رکھتے ہیں اور دور کہیں کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے۔ یوں سمجھیے کہ ملک بھر میں ایک جالا سا تنا ہوا ہے اور خاموشی سے بہت سے مکڑے مکڑیاں تاریک گوشوں میں دبک کر

---

[1] دنیا بھر کے اہم ممالک کی سول سروس کا فارمولا یہ ہے "YES SIR ..... BUT SIR ...." - "یس بٹ" کے بعد یہ لوگ ایسا منتر پڑھتے ہیں کہ بڑے بڑے اہلِ خودی ڈھیر ہو جاتے ہیں۔

[2] فوج کے متعلق اس معاملے میں میری معلومات صفر ہیں۔ کچھ معلوم نہیں کہ آیا وہاں بھی سیکولرازم کے محافظین اسی طرح نفوذ یافتہ ہوتے ہیں یا نہیں۔

اُس جالے کے نئے نئے تار بنا کر پھیلا رہے ہیں۔
قوم کے نوجوان جب سینوں پر گولیاں کھا رہے تھے اور بوڑھوں کے سروں پہ لاٹھیاں برس رہی تھیں اور خواتین گیس کے طوفان میں گھری ہوئی تھیں تو اس وقت بھی یہ مکڑے مکڑیاں اپنا کام کر رہے تھے۔ بھٹو صاحب تخت سے اُتار دیے گئے، مگر ان مکڑوں اور مکڑیوں کی راجدھانی برقرار رہی۔
اسلام اُس وقت قوت پا سکے گا، جب سیکولرازم کے باڈی گارڈز میں سے ایک ایک کو کوئی بصیرت مند مرد مجاہد اگر ختم نہیں، تو بے اثر اور بے وزن اور بے وقعت کر کے ایک طرف ڈال دے گا۔ یہاں تک کہ مادہ پرستانہ نظریات کی ایجنسیاں ختم ہو جائیں اور بیرونی تہذیب و ثقافت کی اسمگلنگ کرنے والوں کی چور بازاری کا سلسلہ ٹوٹ جائے۔

سول سروس اور ذرائع نشر و ابلاغ کے دائروں میں نفوذ یافتہ گرگانِ باراں دیدہ کے سامنے ایک اور قوت بڑا اہم پارٹ ادا کرتی ہے۔ یہ ہوتے ہیں ٹکنیکل ماہرین۔ ظاہر بات ہے کہ ٹکنیکل ماہرین کے تعاون کے بغیر کوئی بھی اسکیم نہیں چل سکتی۔ ٹکنیکل ماہرین ــــ وہ اقتصادیات سے متعلق ہوں، بنکنگ اور انشورنس سے متعلق ہوں، یا تعلیم یا کسی اور شعبے سے متعلق ــــ انہیں سیکولر نظام تعلیم نے جو مواد رٹایا ہوتا ہے، اور پھر سیکولر انتظامیہ میں پرزہ بن کر رہنے کی وجہ سے جو تجربات اُن کے دماغوں پہ لد جاتے ہیں ان کی وجہ سے ان کی شخصیتیں ایک خاص سانچے میں ڈھل کر منجمد ہو جاتی ہیں۔ ان میں سے جن خوش نصیبوں کے دلوں میں ایمان کی کرنیں اُمڈتی بھی ہیں۔ وہ بھی اپنے مخصوص طور اور اصطلاحات (TERMS & TECHNIQUE) کی گرفت سے نہیں نکل سکتے۔ ان میں نئے نہج سے نئے اصولوں پہ کام کرنے کے لیے تخلیقی ذہن ہی موجود نہیں ہوتا۔ اور پھر ان میں دبنگ قسم کے کچھ لوگ دَورِ حاضر کے نظریات و تحریکات کے آلۂ کار ہوتے ہیں۔ آپ جب ان کے سامنے اسلامی مقاصد کے لیے ادارات اور عوامل میں کسی اہم تبدیلی کا کوئی آئیڈیا رکھتے ہیں تو وہ ٹکنیکل مہارت کے مقام بلند سے اس کا بڑی عرق ریزی سے جائزہ لینے اور بحث و تحقیق کرنے کے بعد اعلان کر دیتے ہیں کہ یہ چیز تو ناقابلِ عمل ہے۔ فنی مہارت کے سامنے ہر کسی کو سرِ تسلیم خم کر دینا پڑتا ہے۔
دوسرے لفظوں میں ٹکنیکل ماہرین جہاں خود بیشتر سیکولرازم کے اسیر قفس ہوتے ہیں، وہاں انہیں یہ ٹکنیکل مہارت بھی حاصل ہوتی ہے کہ نظامِ رائج کے سیکولر قفس سے بڑے سے بڑے اہلِ عزیمت کو بھی نہ نکلنے دیں وہ دلائلِ محکم کے سامنے یہ یقین دلاتے ہیں کہ جہاں یہ قفس ٹوٹا، اور ہم نے باہر کی فضا میں پرواز کی، سب کچھ

تہس نہس ہو جائے گا۔

مثلاً آپ ٹیکنیکل ماہرین کو بٹھا کر پوچھیں کہ جامعۂ خواتین کا وجود ممکن ہے؟ اور ممکن ہے تو اس کے امتیازات کیا ہونے چاہئیں؟ یا پوچھیے کہ تعلیم میں اسلامی انقلاب کیسے واقع ہو سکتا ہے؟ یا دریافت کیجیے کہ بلاسود بینکاری قابلِ عمل ہے یا نہیں؟ میری ذاتی رائے یہ ہے کہ ان میں سے ہر سوال پر غور ہو گا، مطالعہ ہو گا، تحقیقی کام ہو گا، میٹنگز ہوں گی، ان میں بڑی دردمندی اور سنجیدگی سے بحثیں ہوں گی، لیکن آخری نتیجہ یہی ملے گا کہ یہ کچھ تو ممکن نہیں ہے۔

اور کوئی نان ٹیکنیکل دماغ قابلِ عمل راستہ نکال بھی سکتا ہو تو یہ حضرات اُسے خاص ٹیکنیکل اصطلاحات اور مروجہ فارمولوں کے پتھروں سے ایسا مضروب کریں گے کہ بات کرنا مشکل ہو جائے۔

ان سے کام لینے کا صرف ایک طریقہ ہے۔ کوئی انقلابی ذہن کی قیادت ہو، وہ تخلیقی تفکر و تدبّر سے کام لینے والے قابلِ اعتماد دو چار افراد سے ذاتی سطح پر مشورہ لے، اور پھر ایک طے شدہ امر ٹیکنیکل ماہرین کے سامنے رکھ دے کہ فلاں کام فلاں اصول و مقاصد کے ساتھ، فلاں نہج سے، اتنی مدت میں کرنا ہے۔ آپ اپنی ٹیکنیکل مہارت استعمال کر کے ایک عملی بلیو پرنٹ بنا دیں۔ اگر اس کی صلاحیت نہ ہو تو مشورہ یہ ہے کہ آپ چھٹی کریں۔

خالص لادینیت اور کھلے کھلے سوشلزم و الحاد کے سرپرستانِ خاص تو ذرا کم تعداد میں ہیں، ان کے ساتھ بہت سی تعداد مغرب پرستوں، اباحیت پسندوں اور بندگانِ مفاد کی شامل ہے۔ جب کبھی اسلام کی آمد کا خطرہ رونما ہو تو یہ سب مل کر ایک زیرِ زمین محاذ بنا لیتے ہیں۔ اوپر سے دیکھیے تو سب اچھا نظر آتا ہے۔ کسی بِل کو کھود دیجیے تو اندر ہی اندر دُور تک سرنگیں چلی جاتی ہیں اور ان میں جابجا کیمپ لگے ہوئے ملتے ہیں۔ الحاد پسند معاندینِ اسلام کے پیچھے پیچھے جن اسلام گریز لوگوں کی صفیں دکھائی دیتی ہیں، وہ عوامی رجحانات کے زیرِ اثر اسلام کی بات پہ آمین تو کہہ دیتے ہیں، مگر وہ اسلام کا ایسا ایڈیشن چاہتے ہیں کہ جو اُن کی زندگیوں میں کوئی گڑبڑ نہ پیدا کرے۔ ان کا مطلوب "سیکولر اسلام" ہے۔ یعنی رشوت، ملاوٹ، اسمگلنگ، ناپ تول کی خرابی، قیمتوں کی زیادتی، قانون شکنی، سرکاری املاک میں تصرفِ ناروا، (باقی بر صفحہ ۴۴)